کاروائی اجتماعات جماعت اسلامی

سنہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

از قیم جماعت اسلامی

جنوری ۴۷ء میں اعلان کیا گیا تھا کہ اس سال جماعت اسلامی کا اجتماع عام پٹنہ صوبہ بہار میں منعقد ہوگا، نیز جنوبی اور وسط ہند کے حلقہ وار اجتماعات، اجتماع عام کے بعد متصلاً ہی منعقد کیے جائیں گے اور صرف شمال مغربی ہند کا حلقہ وار اجتماع اکتوبر تک ملتوی رہے گا۔ پٹنہ کے اجتماع عام کے لیے ۴، ۵، ۶/ اپریل ۴۷ء کی تاریخیں بھی مقرر کر دی گئی تھیں۔ مگر اس کے بعد پنجاب، صوبہ سرحد اور بہار میں فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا جس کی وجہ سے شمالی ہندوستان کے بیشتر رقبے میں ابتری پھیل گئی، ذرائع آمد و رفت بیشتر منقطع اور بقیہ پرخطر اور غیر محفوظ ہو گئے اور جہاں فساد بالفعل واقع نہ ہوا وہاں کے حالات بھی پرسکون و پرامن نہ رہے۔ اس لیے امیر جماعت نے مقامی ارکان شوریٰ اور دوسرے مقامی ارکان جماعت کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پٹنہ صوبہ بہار کا اجتماع عام منسوخ کر دیا جائے اور اس کے بجائے ہندوستان کے چاروں حلقوں کے الگ الگ سالانہ حلقہ وار اجتماعات اپریل اور مئی ۴۷ء میں کر لیے جائیں۔ چنانچہ اس اعلان کے مطابق ہر حلقے کے الگ الگ اجتماعات منعقد کیے گئے اور ان کی مفصل کاروائی درج ذیل ہے۔

حلقہ مغربی و وسط ہند بمقام ٹونک بتاریخ ۱۷، ۱۸ اپریل ۴۷ء

حلقہ مغربی و وسط ہند (راجپوتانہ، سی پی، برار، بمبئی اور ریاست ہائے وسط ہند) کا اجتماع ٹونک

میں ۱۷-۱۸ اپریل ۴۸ء کو منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مرکز سے امیر جماعت اور قیم جماعت شریک ہوئے۔ شہر بمبئی، کلیان، جالگاؤں، دوراجی، جوناگڑھ، گودھرا، جامنیر، آکولہ، بینا، جھانسی، اندور، بھوپال، الور، گوالیار، بیتول، جبل پور، ٹونک، سرونج، نیاہڑہ، جے پور، سوائی مادھوپور اور اجمیر سے ارکان اور ہمدرد حضرات سوا سو سے زائد تعداد میں تشریف لائے۔ اجتماع کی مفصل کارروائی درج ذیل ہے:-

۱۷ اپریل بروز پنجشنبہ اس روز تین اجلاس ہوئے۔ پہلا اجلاس صبح ۸ بجے سے ۱۱ بجے دوپہر تک، دوسرا اجلاس بعد نماز ظہر سے نماز عصر تک اور تیسرا اجلاس عصر سے مغرب تک۔ یہ تینوں اجلاس خاص اجلاس تھے اس لیے اجتماع گاہ کے بجائے قیام گاہ کے ہال میں منعقد کیے گئے۔ ان تینوں اجلاسوں میں امیر جماعت نے ہر مقام کے ارکان اور ہمدردوں سے مقام وار ملاقات کی۔ ان سے مقامی حالات بتفصیل معلوم کیے اور ہر مقام کے مناسب حال آئندہ کام کے لیے ہدایات دیں۔ امیر جماعت کی ان ہدایات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

۱۔ حلقہ راجپوتانہ، سی۔ پی، ریاست ہائے وسط ہند اور برار سے ارکولا تک ریاست حیدرآباد کے قیم کے حلقے میں شامل کر دیا جائے اور بقیہ علاقے کے مندرجہ ذیل پانچ ڈویژن بنا دیے جائیں:

(۱) ٹونک ڈویژن جس میں ٹونک، سوائی مادھوپور، جے پور، الور اور اجمیر شامل ہوں گے۔

(۲) جھانسی ڈویژن جس میں جھانسی، بھوپال، بینا، سرونج، اٹارسی اور ہردہ شامل ہوں گے۔

(۳) اندور ڈویژن جس میں اندور، مہو، رتلام اور اجین وغیرہ شامل ہوں گے۔

(۴) جوناگڑھ ڈویژن جس میں جوناگڑھ، چورواڑ، دوراجی وغیرہ شامل ہوں گے۔

(۵) جامنیر ڈویژن جس میں جامنیر، بھوساول، جلگاؤں اور مالیگاؤں شامل ہوں گے

۲۔ ان ڈویژنوں کے ارکان اور ہمدرد حضرات آپس میں گہرا ربط اور تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں، وقتاً فوقتاً آپس میں ملتے اور مراسلت کرتے رہیں اور کم سے کم ہر تین ماہ میں ایک مرتبہ کسی مناسب مقام پر سہ ماہی اجتماعات منعقد کر کے اپنے گزشتہ کام کا جائزہ اور آئندہ منظم کام کے لیے پروگرام بنا لیا کریں۔ نیز ایسی صورتیں سوچیں اور تدابیر اختیار کریں جن سے باہم تعاون میں آسانی ہو اور آپس میں

زیادہ سے زیادہ یکجہتی پیدا ہو۔

۳۔ اس پورے حلقے (بجز برار) کے انچارج اور قیم جناب محمد یوسف صاحب صدیقی (نزد مسجد
غزل، محلہ قافلہ، ٹونک راج) بدستور رہیں گے اور مذکورہ ڈویژنوں میں ڈویژنل اجتماعات کے انچارج
علی الترتیب جناب محمد یوسف صاحب صدیقی، جناب افضل حسین صاحب (گورنمنٹ نارمل سکول،
جھانسی)، مولانا محمد رفیع صاحب (محلہ ملہار پلٹن، مکان نمبر ۳۔ اندور سٹی)، حکیم عبدالواحد صاحب (محلہ ملاواڑہ
جوناگڑھ) اور جناب خورشید احمد زبیری صاحب (جامنیر ضلع مشرقی خاندیش) ہوں گے۔

تمام مقامی جماعتیں، حلقہ ہائے ہمدرداں، منفرد ارکان اور ہمدرد اپنی ماہوار رپورٹیں اور ڈویژنوں
کے انچارج صاحبان سہ ماہی اجتماعات کی رپورٹیں مرکز میں اور اپنے حلقے کے قیم جناب محمد یوسف صاحب
کو بھیجا کریں۔

۴۔ ہر ڈویژن کے ارکان اور ہمدرد[1] جلدی سے جلدی اپنا پہلا اجتماع منعقد کر کے دو دو تین
آدمیوں کے وفود بنالیں اور وہ وفود اپنے گرد و نواح کی بستیوں میں جانا شروع کردیں۔ حتی الامکان
نواحی بستیوں کے ہر پڑھے لکھے انسان (مسلم و غیر مسلم) تک اپنا لٹریچر پہنچا دیا جائے اور کوشش کی جائے
کہ ہر بستی میں کم سے کم ایک ایک شخص ایسا مل جائے جو اس کار خیر میں ہمارا ساتھ عملاً دینے کے لیے
کھڑا ہوجائے۔ اس کام کے لیے روابط پیدا کرنے کا انفرادی طریقہ ہی اختیار کیا جائے۔ اس سے پیدا
شدہ روابط مستحکم اور مستقل ہوتے ہیں۔

ان وفود کے سلسلے میں وقت ہر رکن اور ہمدرد سے لازماً لیا جائے لیکن یہ وقت اتنا اور ایسا
ہونا چاہیے جو وہ بآسانی دے سکیں۔ جو شخص مہینے میں ایک ہی دن دے سکتا ہو اس سے ایک ہی
دن پر سردست اکتفا کیا جائے لیکن یہ وقت ہر ماہ باقاعدہ لیا جانا چاہیے۔

۵۔ جہاں جہاں ارکان اور ہمدرد حضرات موجود ہیں ان کو چاہیے کہ اپنے ہاں دارالمطالعہ یا گشتی

---

[1] یہاں اور دوسرے مقامات پر "ہمدرد" کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو ہمارے کاموں میں عملاً حصہ لیتے ہیں
اور ہمارے مسلک کو اس حد تک قبول کرچکے ہیں کہ قولاً و عملاً جماعت کی صحیح نمائندگی کرسکیں۔

لائبریری اور مکتبے کا انتظام کریں تاکہ لٹریچر پھیلانے میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہو اور جو لوگ کتابیں خریدنا چاہیں وہ خرید سکیں۔

۶۔ دوسری مسلم اور غیر مسلم جماعتوں سے اختلاف کے معاملہ میں انتہائی احتیاط برتی جائے۔ ان کے کارکنوں میں سے جو جس قدر بھی ہمارے ساتھ چل سکتا ہو اور چلنے کے لیے تیار ہو اسے ضرور ساتھ لیا جائے، مگر اسے اس باب میں بھی کسی غلط فہمی میں نہ رکھا جائے کہ ہمارے اور اس کی جماعت کے مسلک وطریق کار میں اصولاً کیا فرق ہے۔

۷۔ معاشی مشکلات کو ہمارے ارکان کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہم اپنے ارکان کو سردست کوئی ایسا پروگرام نہیں دے رہے ہیں جس کے لیے انھیں کوئی زیادہ الگ وقت دینا پڑے۔ اس وقت اپنے ارکان سے ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہ جس حال اور جس کام میں بھی ہوں سرتاپا اسلام کے نمائندہ اور اس کی تعلیمات کے پابند ہوں۔ گھر میں ہوں یا بازار میں، مسجد میں ہوں یا کاروبار میں، ہر جگہ ان میں یہ احساس موجود رہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انھیں اپنے ہر عمل وحرکت کا خدا کے روبرو حساب دینا ہے۔

۱۸ اپریل بروز جمعہ یہ کھلا اجلاس تھا جو ۹ بجے صبح سے ۱۱ بجے دوپہر تک جاری رہا۔ شرکا کی تعداد ۳ سو سے زائد تھی۔ اس کی ابتدا امیر جماعت کی حسب ذیل افتتاحی تقریر سے ہوئی:

حمد وثنا کے بعد فرمایا: حضرات! ہماری اس جماعت کا جو کچھ مقصد ہے اس کو بیان کرنے کے لیے دوسرے مقامات کے لیے تو ممکن ہے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت ہو لیکن ٹونک کے لوگوں کے سامنے اسے بیان کرنے کے لیے کسی لمبی تقریر کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ہمارا مقصد وہی ہے جس کے لیے حضرت سید احمد شہید کھڑے ہوئے تھے۔ یہ مقام وہی ہے جہاں حضرت ممدوح نے اپنے کام کی تیاری کی اور پھر یہی وہ مقام ہے جہاں ان کے لٹے ہوئے قافلے نے آکر پناہ لی۔ اگرچہ اس واقعہ کو سو سال ہو گئے ہیں لیکن ان بزرگوں کے آثار ابھی تک یہاں موجود ہیں اور ان کے کارناموں کی داستانیں بھی بہت سے ذہنوں میں اب تک موجود

اور باقی ہوں گی۔ اگرچہ ہماری شخصیتوں کا ان کی شخصیتوں سے کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ پاک نفوس تاریخ کے اوراق میں اپنی سیرت اور کام کے وہ نقوش چھوڑ گئے کہ دنیا میں ایک مرتبہ پھر صحابہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ ہمیں ان سے کیا نسبت؟ لیکن ہماری کوشش اور خواہش یہی ہے کہ اسی کام کو جو انھوں نے کیا اور جس کے لیے انھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا اور جسے کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اپنی مقدرت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں۔ اسی مقصد کے لیے ہماری یہ جماعت قائم ہوئی ہے اور اسی کام میں اپنے ساتھیوں کا جائزہ لینے اور نئے ہمراہیوں کی تلاش میں ہم یہاں آپ کے شہر میں آئے ہیں۔

ہمارے اجتماعات کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ اپنے کام کا اشتہار دیا جائے بلکہ یہ کہ اپنے کارکنوں کو وقتاً فوقتاً جمع کرکے ان کے کام کا جائزہ لیں، کوتاہیوں کو معلوم کرکے ان کو دور کرنے کی کوشش کریں اور آئندہ کام کا نقشہ بنالیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ مقامی لوگوں کو اپنے کام سے واقف کرائیں تاکہ اللہ کے جو بندے اس کام کو کرنا چاہتے ہوں وہ ہمارے کام کو دیکھیں اور سمجھیں اور اگر ان کا دل گواہی دے اور مطمئن ہو تو ہمارا ساتھ دیں۔

کل سارا دن ہم اپنے جماعتی اور انتظامی کاموں میں مشغول رہے۔ آج آپ حضرات کو تکلیف دی ہے کہ آپ بھی ہمارے کام کو معلوم کریں۔ میں زیادہ کچھ کہنے سے معذور ہوں کیونکہ میں بیمار اور بہت تکلیف میں ہوں اور محض احساس فرض اور ضرورت کی وجہ سے اس حال میں یہاں تک آگیا ہوں۔ جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ ان شاء اللہ شام کے اجلاس میں عرض کروں گا۔ اب آپ ہماری جماعت کے قیم سے جماعت کے سال بھر کے کام کی رپورٹ سنیے۔

اس کے بعد قیم جماعت نے جماعت کی سالانہ رپورٹ پیش کی جو درج ذیل ہے:

روداد جماعت اسلامی ۶۵-۱۳۶۶ھ / ۴۶-۱۹۴۷ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امیر جماعت، رفقائے محترم، بہنوں اور بھائیو! میں آپ کی خدمت میں اس وقت اپنے

حاضر ہوا ہوں کہ جماعت اسلامی کی گذشتہ سال کی روداد آپ کے سامنے پیش کروں۔ لیکن ہم نے اس اجتماع میں اپنے ارکان اور قریبی ہمدردوں کے علاوہ اپنے ان مسلم و غیر مسلم بھائیوں کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے جو ابھی ہم سے پوری طرح واقف نہیں ہیں مگر ہمارے کام کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کی خواہش رکھتے ہیں، اور ایسے بہت سے احباب تشریف لائے بھی ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ روداد جماعت پیش کرنے سے پہلے میں جماعت کی دعوت اور مقصد کو بھی مختصر الفاظ میں بیان کردوں تاکہ نئے احباب کو بھی اس اجتماع کی کارروائی سمجھنے اور ہمارے پیش نظر کام کو جاننے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے۔

جماعت اسلامی کی دعوت اور مقصد

سائنس، جدید وسائل تمدن اور موجودہ ذرائع آمد و رفت نے دنیا کے مختلف ممالک کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا ہے اور آپس میں اس طرح ملا دیا ہے کہ وہ تمام جغرافیائی اور قدرتی حد بندیاں ختم ہوگئی ہیں جو اب تک مختلف ممالک اور ان میں بسنے والی قوموں کو ایک دوسرے سے الگ کیے ہوئے تھیں۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ یہ پورا کرۂ ارض (یعنی زمین) ایک ملک بن گیا ہے اور وہ قطعات جن کو ہم پہلے الگ الگ ممالک خیال کرتے تھے اس نئے ملک کے صوبے یا اضلاع ہیں۔ زیادہ متمدن ممالک تو ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہوگئے ہیں کہ ویسا قرب اور آپس کا میل جول گذشتہ زمانے کے متمدن سے متمدن ممالک کے مختلف اضلاع کیا ان کے اضلاع کی مختلف تحصیلوں میں بھی نہیں پایا جاتا تھا، اور نسبتاً غیر متمدن ممالک کے اکثر حصوں میں اب بھی نہیں پایا جاتا۔ مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگ ضرورت کے وقت ایک جگہ اس طرح جمع ہو جاتے ہیں جس طرح ایک محلے میں بسنے والے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر باہر گلی میں جمع ہو جاتے ہیں۔

اس تمدنی اور علمی ترقی اور آپس کے میل ملاپ کا قدرتی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ملکوں اور ملکوں میں اور قوموں اور قوموں میں محبت، برادرانہ برتاؤ، خیر خواہی اور تعاون کے جذبات زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتے اور اخلاق و انسانیت دوسرے تمام حیوانی جذبات پر غالب آجاتے لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ اس کے بالکل برعکس مختلف ممالک اور قومیں ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے اور

لیا میٹ کرنے پر اس طرح تلے ہوئے ہیں گویا کہ وہ بھوکے بھیڑیے ہیں جن کو جغرافیائی حد بندیوں کی آہنی سلاخوں نے اس دنیا کے چڑیا گھر کے الگ الگ حصوں میں بند کر رکھا تھا اور اب ان سلاخوں کے ٹوٹتے ہی وہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھ کر تمام ہوشمند اور بنی نوع انسان کے سچے خیر خواہ لوگوں کو لازماً سوچنا چاہیے اور جگہ جگہ وہ سوچ بھی رہے ہیں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ قوم ہو یا فرد، جو جس قدر زیادہ متمدن، ترقی یافتہ اور ظاہر میں دیوتا صورت نظر آتا ہے وہ اسی قدر زیادہ انسانی اوصاف سے خالی اور اپنے ہم جنسوں کے لیے کتوں سے زیادہ خطرناک اور وحشی درندہ ثابت ہو رہا ہے۔ ان کے نفسی کارناموں، اجتماعی پروگراموں اور اندرونی اور بیرونی پالیسیوں کو دیکھ کر گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید کل جنگلی چیتے اور خونخوار درندے ہیں جو اچھی اچھی پوشاکیں پہن کر وسائل تمدن اور حکومت کی گدیوں پر قابض ہو گئے ہیں۔

اس عالمگیر خرابی اور انسانی روگ کی جڑ تلاش کرنے کے لیے آپ تھوڑا سا غور فرمائیں گے تو آپ کو صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ سارا فساد ان غلط افکار و نظریات اور اس بے خدا فلسفۂ زندگی کا لایا ہوا ہے جو اس وقت پوری دنیا میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک وبا کی طرح پھیل گئے ہیں اور جن کو ہر قوم اور ہر ملک کے لیڈروں اور ان کے نظامہائے تعلیم و تربیت نے دانستہ یا نادانستہ اپنی اپنی قوموں اور ملکوں میں پلیگ کے جرثوموں کی طرح پھیلا دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے مشرق و مغرب کے سب ممالک ایک اخلاقی پلیگ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ کہیں اس کی گلٹیاں "قوم پرستی" کی شکل میں نکل آئی ہیں، کہیں انھوں نے "وطن پرستی" کی صورت اختیار کی ہے، کہیں "نسلی امتیازات" بن کر باہر آئی ہیں اور کہیں "طبقاتی نزاع" کے جنون کا بخار بن کر۔ جرثومہ اپنا اثر بہرحال ہر جگہ کر چکا ہے۔ کچھ قوموں اور ملکوں کی موت واقع ہو چکی ہے اور ان کی سڑی ہوئی لاشیں بقیہ کی اخلاقی صحت کو اور بھی خطرے میں ڈال رہی ہیں، کچھ ملک موت کے انتظار میں بستر مرگ پر پڑی کراہ رہی ہیں، اپنے اطبا، معالجوں اور بوجھ بجھکڑوں کو بار بار

بلاتی ہیں، ان سے مشورے پر مشورہ لیتی ہیں لیکن روگ ایسا لگا ہے کہ جسم و جان کو کھائے جا رہا ہے اور معالج ایسے ملے ہیں کہ ان کی ہر تدبیر الٹی اور ہر علاج مخالف پڑ رہا ہے۔

رائج الوقت افکار و نظریات اور فلسفۂ زندگی نے قوموں کو قوم پرستی کا، ملکوں کو وطن پرستی کا اور مختلف نسلوں کو نسل پرستی کا درس دیا تھا اور ان کے ہاں ان اساسات اجتماع کے علاوہ کسی دوسری اساس کا تصور موجود بھی نہیں تھا۔ چنانچہ جو قومیں ایک نسل سے تعلق رکھتی تھیں انھوں نے اپنے نسلی امتیازات کی بنیادوں پر، جن میں نسلی اشتراک نہیں تھا انھوں نے قومیت کی بنا پر اور ممالک نے وطنیت کی اساس پر اپنی جتھے بندیاں شروع کر دیں اور دنیا کے مختلف ممالک اور قوموں میں بالکل متعارض اور الگ الگ جماعتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ظاہر ہے کہ جب وقت اور فاصلے پر فتح پا لینے کے بعد دنیا کے مختلف ممالک متصل اضلاع کی طرح آپس میں مل گئے ہوں اور پھر ان میں بسنے والی مختلف قومیں اپنے "نسلی امتیازات" یا نری وطنیت و قومیت کی بنا پر اپنے الگ الگ جتھے اس طرح بنائے ہوئے ہوں کہ ان کے سامنے کوئی مشترک لائحہ عمل اور مقصد زندگی سرے سے ہو ہی نہیں اور ان کو آپس میں ملا کر رکھنے والی کوئی چیز بجز قومی یا ملکی فائدے اور ڈر کے باقی ہی نہ رہی ہو تو ان کا ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برسرپیکار رہنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ "قوم پرستی" اور "وطن پرستی" کا تو نظری تقاضا ہی یہ ہے کہ اپنی قوم اور اپنا وطن خواہ حق پر ہو یا باطل پر، ہر حال میں ان کا ساتھ دیا جائے، قوم کا ایک ایک فرد اور پوری قوم بحیثیت مجموعی اپنی قوم اور ملک کے فائدے کے ہر کام کو کرنے اور ان کے نقصان کے ہر کام کو روکنے کے لیے اپنی تمام قوتیں صرف کر دے بلا لحاظ اس کے کہ دوسری قوموں یا ملکوں کو اس سے کتنا ہی بڑا نقصان پہنچتا ہو۔ ان کے نزدیک کسی چیز یا کام کے جائز یا ناجائز اور حق یا باطل ہونے کا معیار ہی یہ قرار پا جائے کہ یہ ان کی قوم اور ملک کے لیے فائدہ مند ہے یا نقصان دہ اور ان کا یہ پہلو سرے سے قابل غور ہی نہ رہے کہ اس کا دوسروں پر کیا اثر پڑتا ہے۔

اس بارے میں تو اب تقریباً کہیں بھی دو رائیں نہیں پائی جاتیں کہ یہ موجودہ عالمگیر فساد

جس نے مشرق سے لے کر مغرب تک پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ رائج الوقت افکار و نظریات کے تحت "قومیت"، "وطنیت" اور "نسلی امتیازات" کے بے خدا فلسفہ ہائے زندگی کا پیدا کردہ ہے۔ یہاں تک کہ جن لوگوں اور قوموں نے ان افکار و نظریات کے شجر خبیث کو بویا اور اپنے خون اور پسینے سے اس کی آبیاری کر کر کے اسے اس قدر بار آور کیا تھا کہ اس کی جڑیں تمام دنیا میں پھیل گئیں وہ خود اب ان کے ہاتھوں اسقدر عاجز آ گئے ہیں کہ ان کے مفکر اور فلسفی "قومیت" اور وطنیت ہی کے خلاف نہیں "حب الوطنی" کے جذبے کے خلاف بھی دہائی دے رہے ہیں کہ یہ جذبہ کتنا ہی اچھا سہی لیکن نری حب الوطنی کافی نہیں، انسان کو اس سے کہیں زیادہ حسن اخلاق اور عقل کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ تمدنی وسائل کی تباہ کاریوں کو دیکھ کر وہ تو نرے علم کے بھی قائل نہیں رہے بلکہ یہ کہنے لگے ہیں کہ انسان نے فطرت کا علم بہت کچھ حاصل کر لیا لیکن اسے خود انسان اور انسانیت سے پوری آگاہی نہیں ہوئی جس سے وہ خود اپنے نفس پر قابو پا سکتا کیونکہ انسان کو اتنی علم کی ضرورت نہیں جتنی دانائی اور نیک خیالی کی۔

روس نے قومیت اور وطنیت سے ایک قدم آگے بڑھا کر تمام قوموں کے مزدوروں کو ملا کر ایک عالمگیر تحریک کی داغ بیل ڈالی لیکن قطع نظر اس کے کہ ——— وہ اپنے اصلی روپ میں چند سال بھی نہ چل سکی اور فوراً ہی اس نے روسی قوم پرستی کا رنگ اختیار کر لیا۔ اگر بفرض محال یہ تحریک اپنے اصولوں کے مطابق سو فی صدی کامیاب ہو بھی جاتی تو علاوہ اس کے کہ یہ انسانی فطرت اور اس کے بنیادی تقاضوں کے بالکل خلاف ہوتی۔ یہ "قومیت" اور "وطنیت" کے فتنوں سے کہیں بڑا فتنہ کھڑا کر دیتی کیونکہ یہ بھی دنیا کے بہر حال ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں ہی کی فلاح و بہبود کو اپنا نصب العین بنا کر اٹھی تھی۔ چنانچہ اس تحریک کی مختصر تاریخ جو ہمارے سامنے ہے "قومیت" اور "وطنیت" کی تاریخوں سے بھی کہیں زیادہ خوں چکاں اور وحشتناک ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر "قومیت" اور "وطنیت" اور "اشتراکیت" جو اس وقت دنیا کی مہذب ترین اور متمدن ترین قوموں کے مذاہب اور دینوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انسانیت کو

انھوں نے ہزارہا سالوں کے تجربے اور اب سے پہلے کے تمام اجتماعی اور سیاسی نظاموں کو رد کر کے اختیار کیا تھا۔ انسانی زندگی کے مسائل کو حل نہیں کرتے اور حالات و واقعات اور ہمارے عملی تجربات بھی یہ شہادت دے رہے ہیں کہ یہ نظام ہائے زندگی سابقہ نظاموں (مثلاً قبائلی سسٹم، فیوڈل سسٹم، بادشاہت اور ارسٹوکریسی وغیرہ) سے کسی طرح بھی کم شر انگیز نہیں تو صحیح راہ عمل کیا ہے؟

یہی مسئلہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اسی نے دنیا کے سب بڑے بڑے دماغوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ کہیں مختلف ممالک اور قوموں کو ملا کر وفاق کی شکلیں سوچی جا رہی ہیں، کہیں دولت متحدہ (commonwealth) کی صورت تجویز کی جا رہی ہے۔ کہیں مختلف قوموں کو اکٹھا کر کے جمعیت اقوام منظم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور کوئی ایشیاٹک کانفرنس کا ڈھونگ رچا کر مصنوعی امن کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے لیکن امن عالمگیر کی گتھی ہے کہ سلجھاؤ کی ہر کوشش کے ساتھ اور الجھتی چلی جا رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ ملکوں کی طرح پوری دنیا میں امن قائم کرنے کا بھی ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ:

(۱) اس میں چلنے والے الگ الگ سیاسی نظاموں اور اجتماعی تحریکوں کو ختم کر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہی نظام قائم ہو اور

(۲) اس میں بسنے والے تمام افراد اور قوموں کے ذہنوں سے ان کے ایک دوسرے سے الگ مستقل تشخص (Entities) کے تصور کو نکال کر یہ عقیدہ ان کے دماغوں میں پیوست کر دیا جائے کہ وہ سب در اصل ایک ہی کنبے کے افراد ہیں جو مدتوں ایک دوسرے سے دور رہتے رہتے بیگانے بن گئے ہیں۔

اب یہ امر بھی کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ جس طرح اجتماعی امن اور سیاسی نظام کا قیام آپس میں لازم و ملزوم ہیں اسی طرح سیاسی نظام اور حلقہ متعلقہ کے رہنے والے سب لوگوں کا نہیں تو اُن کی غالب اکثریت کا کسی ایک اقتدار کے سامنے اطاعت میں جھک جانا لازم و ملزوم ہیں یعنی

جب تک کسی ملک یا حلقے کے سب لوگ یا کم سے کم ان کی غالب اکثریت کسی ایک اقتدار کے آگے سر اطاعت خم نہ کر دیں کسی سیاسی نظام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک یہ صورت قائم رہتی ہے نظم اور امن قائم رہتا ہے اور جب یہ صورت ختم یا اس میں کوئی کمزوری واقع ہو جاتی ہے اسی تناسب سے بدامنی کی شکل رونما ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اگر پوری دنیا میں امن قائم کرنے کی تمنا ہے (اور اب مختلف ممالک کے آپس میں مل جانے سے کسی ایک ملک میں الگ امن قائم کرنے کا امکان بھی نہیں رہا) تو ناگزیر ہے کہ کسی ایسے ذی اقتدار فرمانروا کی تلاش و تعین کی جائے:۔

(۱) جس کا اقتدار مستقل اور غیر مختتم ہونے کے ساتھ ساتھ نہ صرف پوری دنیا پر محیط ہو سکے بلکہ اسے دنیا کی تمام قوموں پر حکومت کرنے کا فی الواقع حق حاصل ہو۔

(۲) جس کے سامنے کسی شخص، قوم، ملک یا طبقہ کے لوگوں کو بھی جھکنے میں عار نہ ہو۔

(۳) جو خود تمام عیوب سے پاک اور تمام کمزوریوں سے بالاتر ہو۔

(۴) جس کا سلوک تمام بنی نوع انسان کے ساتھ یکساں مربیانہ اور تمام انسانوں کا تعلق اس سے یکساں رعیتانہ ہو۔

(۵) جو خود اپنی ذات میں ایسا صاحب قوت و جبروت ہو کہ کسی بڑے سے بڑے ملک، گروہ یا قوم کے لوگوں کو اور پوری دنیا کے لوگوں کو مل کر بھی اس کے سامنے دم مارنے کا یارا نہ ہو بلکہ وہ پوری پوری قوموں اور پوری دنیا سے بیک وقت باز پرس کرنے، حقداروں کو ان کے پورے پورے حقوق دلوانے اور مجرموں کو ان کے جرائم کی پوری پوری سزا دینے پر قدرت رکھتا ہو اور کوئی شخص کسی حال میں اس کی گرفت سے نہ بچ سکتا ہو۔

(۶) جو انسانوں کی فطرت، ان کی نفسیات، ان کے جذبات، ان کی ضروریات، ان کی خفیہ اور ظاہر قوتوں اور کمزوریوں ہی کا نہیں بلکہ اس کائنات میں کارفرما ساری قوتوں کا بھی ٹھیک ٹھیک علم رکھتا ہو اور جس کی نظر پوری انسانی دنیا اور ان کے ماضی و حال، اور مستقبل سب پر حاوی ہو تاکہ وہ

انسانی زندگی کے ایسے اصول اور ضابطے بنا سکے جو تمام ملکوں اور قوموں اور طبقوں کی وسعتوں اور کمزوریوں اور فلاح و بہبود کا یکساں لحاظ کرتے ہوں۔

(۷) جو ایسا سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہو کہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر اور اس کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہ سکتی ہو، اور آخری بات یہ کہ

(۸) جس کی شان اس قدر بلند ہو کہ اس کا مقابل اور ہمسر نہ کوئی دوسرا ہو اور نہ ہو سکتا ہو۔

اپنے مطلوب، عالمگیر فرمانروا کی ان صفات کو ذہن میں رکھ کر جب ہم اس زمین پر فرمانروائی کے مختلف دعویداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو بالکل بادی النظر میں یہ چیز متیقن ہو جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ان صفات کا شائبہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتا اور ادھر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل اور قائم ہے کہ ان صفات کے فرمانروا کے علاوہ کسی دوسرے فرمانروا کی اطاعت کے لیے دنیا کی سب قومیں کیا، ان میں سے چند بھی برضا و رغبت تیار نہیں ہو سکتیں کیونکہ آخر کیا وجہ ہے کہ

ایک شخص اپنے ہی جیسے گوشت پوست کے دوسرے انسان کے سامنے
ایک قوم اپنی ہی جیسی ایک دوسری قوم کے سامنے
ایک ملک اپنے ہی جیسے ایک دوسرے ملک کے سامنے اور
ایک طبقہ اپنے ہی جیسے ایک دوسرے طبقے کے سامنے سر جھکائے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے کہ ایک جماعت یا ایک قوم کچھ عرصے کے لیے دوسری جماعت یا قوم پر اپنا غلبہ یا رعب جمالے لیکن نہ یہ غلبہ مستقلاً رہ سکتا ہے اور نہ یہ رعب زیادہ دنوں تک چل سکتا ہے۔

اب جب ہم اس مطلوبہ عالمگیر فرمانروا یا بزبان عربی "الٰہ العٰلمین" کی تلاش میں اپنے گرد و پیش، اور زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی زندگی کی بے حد و حساب مخلوق پر نظر ڈالتے ہیں تو دو حقیقتیں ہمارے سامنے فوراً ہی نمایاں ہو کر آجاتی ہیں کہ:-

(۱) اس کائنات کے خالق نے جو ضرورت اور جس چیز کی طلب بھی انسان کے اندر رکھی ہے اسے پورا کرنے کا کمال درجے کا انتظام اس کائنات میں کر دیا ہے، اگر انسان کے اندر بھوک اور پیاس

رکھی ہے تو پوری زمین پر کھانے پینے کی لاتعداد اور انواع واقسام کی چیزوں کا وسیع دسترخوان بچھا دیا ہے۔ اگر اسے بقاء زندگی کے لیے ہوا کی ضرورت ہے تو زمین کے گوشے گوشے میں، پہاڑوں کی غاروں سے لے کر اس کی بلند ترین پرواز سے بھی اوپر تک فضا کو اس سے بھر دیا ہے۔ اگر اسے قوت گویائی دی ہے تو اس کے سامنے ان گنت موضوعات بیان گفتگو رکھ دیے ہیں۔ اگر اسے عقل و دماغ سے نوازا ہے تو اسے اتنے وسیع اور بے شمار مسائل زندگی سے دوچار کر دیا ہے کہ قیامت تک اسے عمل کرتا چلا جائے اور وہ ختم نہ ہوں۔ المختصر یہ کہ جس طرف اور جس حد تک بھی آپ نظر دوڑائیں کہیں کوئی کمی یا بھول دکھائی نہیں دیتی۔

(۲) دوسری چیز جو اس سے بھی زیادہ نمایاں اور کھلی ہوئی ہے وہ یہ کہ یہ پوری کائنات اور اس کا ایک ایک ذرہ کسی زبردست اور صاحب قوت وجبروت فرمانروا کے قوانین اور ضابطوں میں کسا ہوا ہے اور ان میں سے کسی شے کو بھی اس کے حکم کے خلاف سرمو حرکت، و سرتابی کا یارا نہیں۔ سورج، چاند، زمین اور دوسرے سب اجرام فلکی، آگ، پانی، ہوا، جمادات، نباتات اور حیوانات پیدائش، صحت، بیماری اور موت، عزت و ذلت، رزق اور دوسرے وسائل کی کمی بیشی۔ دیکھنے سننے، بولنے کی دوسری جو قوتیں انسان اور اس کائنات میں کام کر رہی ہیں یہ آزاد و خود مختار نہیں بلکہ صریح طور پر کسی کے حکم کے تابع اور کسی کے قانون کی پابند نظر آتی ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مفصل لائحہ عمل، ایک متعین مقصد و پروگرام اور ایک اٹل مجموعہ قوانین موجود ہے۔ اس کائنات میں کارفرما یہی وہ قوانین و ضوابط ہیں جن کے لیے سائنس والوں نے خدا کے انکار یا اس سے انحراف کے بعد "قوانین قدرت" یا Laws of Nature کا نام تجویز کیا ہے اور جنھیں دین اسلام نے اپنی اصطلاح میں "آیات الہٰی" یا "خدا کی نشانیاں" کہا ہے کیونکہ انسان اگر چاہے تو ان کی مدد سے اپنی اور اس کائنات کی حقیقت کی طرف رہنمائی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اسے فی الواقع تلاش حق کی لگن ہو۔

مذکورہ بالا دو حقیقتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم انسانی زندگی پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

جہاں اس پوری کائنات اور خود انسان کی طبعی زندگی کے لیے ایک عالمگیر فرمانروا موجود ہے اور اس کے عالمگیر ضوابط پورے قہر و غلبہ کے ساتھ ہر جگہ نافذ ہیں اور انسان کی ہر ضرورت اور ہر طلب کا بہت وافر سامان کیا گیا ہے وہاں انسان کی زندگی کے اختیاری حصہ یعنی اس کی اجتماعی، اخلاقی اور سیاسی زندگی کے لیے نہ بظاہر کوئی عالمگیر فرمانروا ہے، نہ عالمگیر ضابطہ اور نہ اس کی طبعی ضرورتوں سے بھی زیادہ اہم تر اس کی اس ضرورت کا کوئی سامان کیا گیا ہے۔ افراد سے لے کر اقوام و ممالک تک ہر ایک، جو راستہ اور جو ضابطہ زندگی چاہیں گھڑ لیں اور اختیار کر لینے کے لیے آزاد ہیں اور انھوں نے ایسا ہی کر بھی رکھا ہے۔ لیکن اس کائنات کے مزاج اور اس کے بنانے والے کی مجموعی سکیم کو دیکھتے ہوئے یہ صورت حال فطرت کے بالکل خلاف اور نظام عالم سے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا لحاظ رکھنے والے نے اس کی اس اہم ترین ضرورت ہی کا خیال نہ رکھا ہو اور ذرے سے لے کر سورج تک اور جرثومے سے لے کر ہاتھی تک ہر ایک کے لیے مکمل نظام زندگی مقرر کرنے والے نے انسانی زندگی کے اس اہم ترین حصہ ہی کے لیے کوئی قانون و ضابطہ نہ بنایا ہو۔ عقل، ضمیر، وجدان، مشاہدۂ کائنات، اور علوم طبعی کے پورے ذخیرے یعنی سارے سائنٹیفک علوم کا ووٹ اس تصور کے بھی خلاف ہے اور وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ انسان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لیے بھی ویسا ہی ایک عالمگیر فرمانروا اور ایک عالمگیر ضابطہ ہونا چاہیے جیسا کہ اس کائنات اور خود انسانوں کی طبعی زندگی کے لیے موجود ہے

یہ ہے وہ مقام جہاں تک کھلے دل اور کھلی آنکھوں اور غیر متعصب ذہن کا ہر انسان اپنے ہوش و گوش سے کام لے کر پہنچ جاتا ہے۔ اب اس مقام پر کھڑے ہو کر جب ہم شروع سے لے کر اب تک کی انسانی تاریخ اور واقعات عالم پر نگاہ ڈالتے ہیں تو دو چار نہیں، دو چار سو نہیں، دو ہزار نہیں لاکھوں کی تعداد میں انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے جو سب کا سب بہترین سیرت و اخلاق کا حامل، ذہنی و اخلاقی اعتبار سے اپنے اپنے زمانے کی سوسائٹی میں سب سے ممتاز، دوست و دشمن کا یکساں معتمد ہے۔ جس میں سے ایک ایک فرد کے بدترین دشمنوں نے

ہمیشہ ان کی لغزشوں کی جستجو کرنی چاہی لیکن کہیں ایک جگہ بھی انگلی نہ رکھ سکے۔ اور پھر یہ کسی ایک قوم کے نہیں، ایک ملک کے نہیں، ایک طبقے کے نہیں، ایک زمانے کے نہیں بلکہ سب کے سب مختلف قوموں کے، مختلف ممالک کے، مختلف طبقات کے، اور مختلف زمانوں کے لوگ ہیں مگر سب کے سب یک زبان ہو کر اپنی اپنی قوموں، ملکوں، طبقوں اور زمانوں کے لوگوں سے یہ ایک ہی بات کہتے ہیں کہ جس چیز کا تمہاری عقل، ضمیر، وجدان اور تمہارے علوم طبعی تقاضا کرتے ہیں واقعہ میں بھی ویسا ہی ہے۔ اس کائنات اور خود تمہاری زندگی کے طبعی حصہ میں جس طرح ایک عالمگیر فرمانروا ہے اسی طرح تمہاری اجتماعی، اخلاقی اور سیاسی زندگی کے لیے بھی ایک ہی فرمانروا ہے اور وہ وہی ہے جس نے اس کائنات اور اس کی ہر چیز کو خلق کیا ہے، جس کا قانون اور حکم اس پورے کارخانہ عالم میں پوری قوت سے کارفرما ہے، جس کے تم اپنی ایک ایک ضرورت کے لیے محتاج ہو، جس کے ہاتھ میں تمہاری زندگی، تمہاری موت، تمہاری صحت و تندرستی، تمہاری ترقی، تمہارا تنزل، تمہارا رزق اور تمہاری زیست کے سارے سامان ہیں۔ وہی تمہارا اور اس ساری کائنات کا حقیقی حاکم اور اصل فرمانروا ہے، تمہارے لیے لازم ہے کہ اپنی زندگی کے اختیاری حصے میں بھی اس کی اطاعت و فرمانبرداری اسی طرح کرو جس طرح طبعی دنیا میں چار و ناچار کر رہے ہو۔

اب اس خالق اور مدبر کائنات کو عالمگیر فرمانروائی کی ان صفات کی روشنی میں دیکھیے جو آپ نے اوپر متعین کیے ہیں۔

وہ قائم بالذات ہے، اس کا اقتدار مستقل، غیر مختتم اور محیط کل ہے۔ اسے جس طرح اس زمین و آسمان کی دوسری چیزوں پر حکومت و فرمانروائی کا حق حاصل ہے اسی طرح اسے تمام بنی نوع انسان پر فرمانروائی کا بھی پورا پورا حق حاصل ہے کیونکہ اسی نے ہمیں خلق کیا، اسی کی زمین پر ہم رہتے ہیں، اسی کا دیا رزق کھاتے ہیں، اسی کا پیتے اور کھاتے ہیں، اسی کی ہوا میں سانس لیتے ہیں، اپنی ایک ایک ضرورت و احتیاج کے لیے اسی کے محتاج ہیں، یہ آنکھ، کان، ناک، زبان، دل، دماغ اور ہمارے جسم اور اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اسی کی ملک، اور اسی کے حکم کے تابع ہے، جب تک

وہ جاہتا ہے ہم اُن سے کام لیتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب وہ چاہتا ہے وہ ان سے ہمیں محروم کر دیتا ہے۔

پھر وہ تمام عیوب سے پاک، تمام کمزوریوں سے بالاتر، تمام بنی نوع انسان کا یکساں مربی کسی کے لیے اس کے سامنے سر جھکانا باعث عار نہیں، اس کی قوت و جبروت کا یہ عالم کہ اس کائنات کے انتظام میں کسی کی مدد و تعاون کا محتاج نہیں، پوری پوری قوموں اور ملکوں کو بیک وقت بلکہ پوری کائنات کو جب چاہے چشم زدن میں تہ و بالا کر دے۔ مختصر یہ کہ ایک عالمگیر فرمانروا کی جو ممکن خصوصیات ہمارے ذہن میں آتی ہیں ان سب کا وہ بدرجہ اتم حامل ہے۔

ایک عالمگیر فرمانروا یعنی "وحدت الٰہ" کا مسئلہ اس طرح حل کر لینے کے بعد جب ہم مستقل عالمگیر امن کی دوسری ناگزیر ضرورت یعنی "وحدت انسان" پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی مختلف قوموں اور نسلوں اور گروہوں میں یہ امتیاز اور کشاکش اور ایک دوسرے پر یہ تفوق سراسر بے بنیاد اور مصنوعی ہے اور اس کے لیے کوئی اصل موجود نہیں۔ جس اختلاف مزاج وطبیعت اور رنگ و عادات کی بنا پر لوگوں نے اپنے آپ کو الگ الگ قوموں، نسلوں اور گروہوں میں بانٹ کر آپس میں یہ اودھم مچا رکھا ہے ویسا اختلاف تو بسا اوقات ایک ہی قوم کے لوگوں میں بلکہ ایک ہی ماں کے دو بیٹوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان اتفاق یا اختلاف کے لیے اگر کوئی صحیح اور فطری بنیاد ہو سکتی ہے تو وہ صرف خیالات، عقیدے اور اخلاق کا اتفاق یا اختلاف ہے، اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس بنیاد پر ایک ماں کے دو بیٹے مختلف اور مشرق و مغرب کا بعد رکھنے والے دو آدمی متفق ہو سکتے ہیں۔ رہا نسل یا رنگ یا وطن یا زبان کے اختلاف کو دوستی و دشمنی کی بنیاد بنانا تو یہ ایک بے معنی اور مہمل بات ہے۔ آخر یہ کہنا کس معقول منطق وفلسفہ یا عقلی دلیل کی رو سے صحیح ہو سکتا ہے کہ فلاں دریا، پہاڑ یا لکیر کے اِس طرف جو بچہ پیدا ہوتا ہے یا فلاں زبان بولتا ہے اور فلاں رنگ رکھتا ہے وہ تو اپنا ہے اور اسے ہم پر سارے حقوق حاصل ہیں لیکن جو بچہ اُن کے اُس پار پیدا ہوتا ہے یا فلاں زبان بولتا اور فلاں رنگ رکھتا ہے وہ غیر ہے

اور اسے ہم سے اور ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم تو جب اس زمانے کے رائج الوقت ان نظریات اور افکار پر غور کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ کس طرح یہ نظریے انسانوں کے دل و دماغ میں پیدا ہوئے اور کس طرح ان کے عقل و ضمیر نے انھیں قبول کیا اور پھیلانے کی اجازت دی۔ موٹی سے موٹی عقل کا آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ گورے اور کالے، انگریز اور جرمن اور ہندوستانی اور غیر ہندوستانی میں ویسا اختلاف تو نہیں پایا جاتا جیسا بیل اور گھوڑے میں ہے یا اونٹ اور بکری میں ہے کہ انھیں الگ الگ جنسیں قرار دیا جائے۔ یہ گورے اور کالے، انگریز اور جرمن، ہندوستانی اور غیر ہندوستانی سب ایک ہی گوشت پوست سے بنے ہیں، جسم و دماغ اور اعضا و جوارح کی تمام قوتیں ایک سی رکھتے ہیں، ان سب کے نفسیات، جذبات، احساسات اور دوسری ساری صلاحیتیں اور کمزوریاں یکساں ہیں، کہیں کوئی ایک شے بھی ایسی موجود نہیں جس سے انھیں الگ الگ اجناس قرار دیا جا سکے۔ ان سے متعلق تمام چیزیں اسی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور انسانی عقل اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ سب انسان ہیں اور یکساں انسان ہیں۔ یہاں پھر جب ہم عقل و شواہد کے اس تقاضے کو لے کر کھڑے ہوتے ہیں تو برگزیدہ انسانوں کا وہی گروہ جس نے ہمیں "وحدت الٰہ" یعنی ایک عالمگیر فرمانروا کا مسئلہ بتایا تھا پھر نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے اور یک زبان ہو کر کہتا ہے کہ عقل و شواہد کا یہ تقاضا بھی بالکل حق ہے، سب انسان گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور ان کی قبائل اور قوموں میں تقسیم کی اہمیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ ان کے پہچانے جانے کا ذریعہ ہیں۔

اس کائنات کی یہی دو بنیادی حقیقتیں یعنی "وحدت الٰہ" اور "وحدت انسان" ہیں جن کی دعوت اس برگزیدہ گروہ کے ایک ایک فرد نے اپنے اپنے وقت میں اپنے مخاطب لوگوں کو دی اور ہماری اور خود اسلام کی دعوت بھی انہی دو بنیادی حقائق کی طرف ہے۔ اسلام کوئی نیا دین نہیں، قرآن کوئی نئی کتاب نہیں اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی انوکھی دعوت پیش کی کہ جو ان سے پہلے آئے ہوئے خدا کے برگزیدہ بندوں کی دعوت سے الگ ہو۔ جو دین اور جو دعوت حق انسانیت کی ابتدا

سے تمام ملکوں اور قوموں کے پیغمبر پیش کرتے رہے اسی دین اور دعوت حق کا موجودہ نام "اسلام" ہے
اسی دین اور دعوت حق کا آخری مستند ایڈیشن قرآن ہے اور اسی دین اور دعوت حق کے آخری علمبردار
محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ہندوستان، چین، یورپ، امریکہ، ایران، عرب ہر جگہ خدا کی طرف سے
آنے والے اخلاقی اور اجتماعی زندگی کے رہنماؤں نے یہی نظام حیات پیش کیا تھا جسے اب اللہ تعالیٰ نے
قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ سب انسانوں کی
مشترک میراث ہے، کسی ایک قوم، ملک یا گروہ کی ملکیت نہیں۔ اسلام اور قرآن نے تمام
بنی نوع انسان کو مخاطب کرکے اپنی بنیادی دعوت کو اس طرح پیش کیا ہے:

"لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گذرے ہیں ان
سب کا خالق ہے، تمہارے (دنیا میں غلط بینی و غلط کاری سے اور مرنے کے بعد خدا کے عذاب سے) بچنے
کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ (تم دیکھتے نہیں کہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا
فرش بچھایا، آسمان کی (ستاروں بھری) چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے
سے انواع واقسام کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق کا سامان کیا۔ پس جب تم یہ سب کچھ دیکھتے
اور جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل (یعنی اس کے ساتھ اپنی بندگی و اطاعت کے حقدار)
نہ ٹھیراؤ۔" کیونکہ "اللہ یعنی وہ زندۂ جاوید خدا جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اور اسے چلا رہا
ہے، اس کے سوا حقیقت میں تمہارا کوئی معبود و فرمانروا نہیں، نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔ نہ نیند آتی
ہے، زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت
کے بغیر سفارش کر سکے، جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے
اس سے بھی وہ واقف ہے...... اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان
کی نگرانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔ البتہ دین (یعنی اخلاقی اور اجتماعی زندگی میں خدا
کی اطاعت کرانے) کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں کی گئی بلکہ تمہیں عقل و تمیز دے کر صحیح اور
غلط دونوں راستے صاف صاف تمہارے سامنے رکھ دیے گئے ہیں ہاں یہ جان لو کہ جس نے